

## عصر حاضر میں غلبہ اسلام کے لیے جہاد

”اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے غلبہ چاہتا ہے“۔ ماجرا کچھ یوں ہے کہ یہ فقرہ آج ایک خاص تصور دین کا عکاس ہے۔ اس عبارت کو سمجھنے کے لیے گزشتہ صدی کے فکری رجحانات اور ان کے اظہار کے لیے وضع کردہ خاص محاورے اور اصطلاحات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ نسل انسانی کے اجتماعی شعور نے جب اپنے گزشتہ مشاہدات و تجربات کی روشنی میں اپنی اجتماعیت کو ایک مربوط نظام کی شکل دینے کی کوشش کی اور اس کی پشت پر افراط و تفریط پر مبنی خالص مادی نقطہ نظر سے مختلف فکری استدلال بھی قائم کیے، تو بالکل فطری تقاضے کے طور پر مسلمان اہل علم نے دین اسلام کی ”تعبیر“ وقت کے محاورے اور اصطلاح کو سامنے رکھتے ہوئے کی۔ یہ اسی کا مظہر ہے کہ آج ہم اپنی روزمرہ کی زبان میں اس جیسے کئی جملے استعمال کرتے ہیں کہ ”اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے“ اسلام کا معاشرتی نظام سماجی نظام، معاشی نظام، سیاسی نظام وغیرہ“۔ اس تعبیر کے ساتھ جو ایک خاص جذبہ کارفرما تھا اُسے خود شعوری یا احساس بیداری کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں یہ احساس عام ہوا کہ نظاموں کی اس کشاکش کے درمیان، جبکہ ہر قوم اپنے افراط و تفریط پر مبنی مادی خدا بے زار نظام حیات کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتی ہے، ہم بھی ایک نظام حیات کے دعوے دار ہیں، جس کی ترتیب و تدوین وحی و رسالت کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اسی پر عمل پیرا ہو کر ہم نے اس دنیا پر کئی صدیوں تک حکومت کی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسی فکری و نظری لہر کے نتیجے میں تمام بلاد اسلامیہ میں مختلف تحریکات غلبہ و اقامت دین یا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی آرزو کے ساتھ میدانِ عمل میں اُترتی ہیں۔ یہی وہ موقع ہے کہ جب امت مسلمہ کے فکری قائدین نے اس قافلہ کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اس طرح احیاء اسلام کا عمل جاری ہوا۔ ان احیائی تحریکوں میں ایک نئے عنصر کا ظہور ماضی قریب میں ہوا ہے۔ غلبہ و اقامت دین کے لیے کام کرنے والی ان تحریکات پر قریب قریب ایک صدی مکمل ہونے کو ہے مگر واقعاتی دنیا میں کوئی قابل ذکر تبدیلی رونما نہیں ہوئی، یعنی جو نتائج مطلوب تھے وہ حاصل نہیں ہوئے، الا یہ کہ کچھ صالحین مسلم معاشروں میں سے ان تحریکات کے عنوان سے مجتمع ہو گئے۔ ان نتائج کے سامنے آنے پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اپنے کام پر ناقدرانہ نگاہ ڈالتے اور خامیوں کو تباہوں کا ازالہ کرتے ہوئے مستقبل کے لیے خود احتسابی کے ساتھ پر جوش انداز میں سرگرم عمل رہتے۔ مگر بد قسمتی سے انسان جلد باز

واقع ہوا ہے۔ نیا منظر نامہ یوں مرتب ہوا کہ ان تحریکات کے کچھ پر جوش اور سرگرم عناصر اپنے گزشتہ سوچے سمجھے معتدل اور محتاط طریقہ کار کے بارے میں ناامیدی اور شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے، جیسا کہ فکری خلا کا کوئی وجود نہیں اور انسان کسی صحیح یا غلط استدلال کے اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ چنانچہ ان عناصر نے جلد بازی میں ایک نئی راہ اختیار کی جو کہ ہمہ گیر اسلامی تحریک کو نقصان پہنچانے کا باعث بن رہی ہے۔ اس ہنگامی صورت حال سے قبل عالم اسلام میں اہیائی عمل کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ پہلے دعوتِ ایمانِ حقیقی، تزکیہٴ نفوس، تعلیم کتاب و حکمت، تربیت و تنظیم، پھر جہاد و قتال۔ جبکہ اس جدید استدلال میں بات تکفیر سے شروع ہوتی ہے اور مجہول الہدٰی بے نتیجہ قتال کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس بے اصل استدلال کو شرعی نصوص سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان صفحات میں ہمارے پیش نظر اسی اشکال کا جائزہ لینا ہے۔

اس امر میں تو مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ چاہے معاملات ہوں یا عبادات، معاشرت ہو یا سیاست و ریاست، عملی رہنمائی کا اصل ماخذ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین ز کی سنت و سیرت ہے۔ جس طرح یہ اصول دیگر دینی تعلیمات کے لیے صحیح ہے اسی طرح غلبہ و اقامت دین یا نصب امامت و خلافت کے طریقہ کار لائحہ عمل اور منہج انقلاب کے اخذ کرنے کا اولین و اہم ترین ذریعہ بھی سیرت رسول ﷺ ہے۔ (اس فرق کے ساتھ کہ عبادات یعنی تعبدی امور میں اصل ”حرمت“ ہے یہاں تک کہ اُس کی حلت ثابت ہو جائے اور معاملات میں اصل ”اباحت“ ہے یہاں تک کہ اُس کی حرمت ثابت ہو جائے۔) معلوم یہ ہوا کہ مصدر و ماخذ سے متعلق کوئی اختلاف نہیں بلکہ یہ جو تنوع ہم تحریکوں کے طریقہ کار میں پاتے ہیں یہ اصلاً اُس کے فہم اور تعبیر و تشریح میں نقطہ نظر کی صحت و ضعف کا ہے۔ واضح رہے کہ جب ہم کسی فعل کے لیے کسی واقعہ سے نظیر لیتے ہیں یا قضیہ اولی کو قضیہ ثانیہ پر قیاس کرتے ہیں تو اس امر کی صحت و بطلان کا انحصار دو اساسات پر ہوتا ہے، جسے اصولیین کی زبان میں اصل اور فرع یا مقیس علیہ اور مقیس کہتے ہیں۔ جب تک ہر دو اجزاء کی مکمل معرفت اُن کے اوصاف و خواص، تعمیم و تخصیص، اطلاق و تقیید سے واقفیت اور سبب و علت پر حکیمانہ نظر نہ ہو تو یہ استشہادِ خطرہ سے خالی نہیں ہوتا۔

زیر نظر موضوع پر جب ہم اس اصول کی روشنی میں غور کرتے ہیں تو تعقل کے اجزاء قرار پاتے ہیں:

(۱) منہج انقلاب اخذ کرنے کے نقطہ نظر سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت مطہرہ کا مطالعہ۔

(۲) موجودہ احوال و ظروف کا وقت نظری سے مطالعہ۔

جز و اول کی حیثیت اصل یا مقیس علیہ کی ہوگی اور جز و ثانی فرع یا مقیس کہلائے گا۔ اس بات میں کوئی ابہام نہیں ہونا چاہیے کہ دونوں اجزاء اپنی انفرادی حیثیت میں مکمل توجہ کے مستحق ہیں، کوئی بھی جز و ثانی درجہ کا نہیں اس لیے کہ مطلوبہ مقاصد کا حصول صرف اُسی وقت ممکن ہے جب دونوں اجزاء کی صحیح معرفت ہو۔ یعنی سیرت کے مطالعے میں خاص معروضی نقطہ نگاہ کو اپنایا گیا ہو جو کہ تخریج منہج کے لیے مطلوب ہے۔ اور اسی طرح اپنے زمانہ کے مزاج، تقاضے، دور و نبوی کے مقابلہ میں رونما ہونے والے فرق و تفاوت، تمدنی و فکری ارتقاء اور دیگر قابل لحاظ امور کی صحیح تحقیق و تفتیح کر لی گئی ہو۔ فقہ کی اصطلاح میں پہلے جز و کو فقہ الاحکام اور دوسرے جز و کو فقہ الواقع سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایک شخص

کے لیے دونوں اجزا کی تحقیق لازم ہے، ورنہ وہ مقاصدِ شرعیہ کی من کل الوجوه پاسداری نہیں کر سکتا۔ اس کو عام فہم انداز میں اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے ایک کاریگر فرمے یا سانچے سے کوئی شے تیار کرتا ہے۔ اس عمل کے دو اجزاء ہیں، ایک سانچہ اور دوسرا مادہ جس کو اُس سانچے میں رکھ کر مطلوبہ شے تیار کی جاتی ہے۔ کاریگر کا دونوں اجزاء سے اچھی طرح واقف ہونا یکساں طور پر ضروری ہے۔ اُسے فرمے یا سانچے کا استعمال بھی آتا ہوا اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو کہ جس مادہ کو سانچے میں ڈالا جاتا ہے اُسے پگھلا کر استعمال کیا جاتا ہے یا کاٹ کر یا پیس کر۔ مطلوبہ شے کا حصول تبھی ممکن ہے کہ جب کاریگر دونوں اجزاء سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو اظہارِ دین یا اقامتِ دین کے لیے جو منج دے کر بھیجا وہ واضح طور پر دو مراحل میں منقسم ہے، اور ہر دو مراحل اپنی نوعیت، اثرات اور تقاضوں کے اعتبار سے مختلف اور متضاد بھی ہیں۔ اگر کسی دور میں نازل ہونے والی آیات پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو کوئی مانع نہیں جو اس تاثر کے اخذ کرنے سے ہمیں روکتا ہو کہ اُس دور میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے اپنے نبی کو جو منج اور طریقہ کار دیا گیا تھا وہ دعوت اور تبلیغ ہی کا تھا جس میں ایک خاص درویشانہ رنگ غالب ہے۔ یہ دور جہاد و قتال سے یکسر خالی ہے۔ اور اگر کہیں آیات میں لفظ جہاد استعمال ہوا ہے تو اُس کے معنی کوشش اور جدوجہد کے ہیں نہ کہ جنگ و قتال کے۔ اُس دور کی کیفیات کا مطالعہ کیا جائے تو چند عناصر بہت واضح ہیں، جیسے یہ حکم کہ صبر کیے جاو، یعنی جو مصائب و دعوت کے دوران پیش آئیں اُن پر صبر کی تلقین ہو رہی ہے۔ استقامت یعنی اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ہر مصیبت کو جھیل جانے کا عزم پیدا کیا جا رہا ہے۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیے جانے پر اُبھارا جا رہا ہے، تزکیہٴ نفوس پر زور ہے، نماز اپنی ابتدائی شکل میں ہے اور اُس کی مشق کرائی جا رہی ہے۔ اخلاق کی تہذیب مطلوب ہے۔ حق بات کہنے پر جو ذہنی یا جسمانی اذیت پہنچے اُس پر کمالِ استقامت کی ترغیب اور اس کے نتیجے میں جنت کی خوشخبری دی جا رہی ہے۔ ایمان و تقویٰ میں درجہٴ احسان کی جانب پیش قدمی کے لیے تحریض و تشویق ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے اس مرحلہ میں مسلمانوں کی پوری جماعت کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ ظلم کے جواب میں کوئی اقدام نہیں کرنا۔ یعنی مارکھانا ہے مارنا نہیں ہے جان دینا ہے جان لینا نہیں ہے۔ اسی حکم کو بعد میں ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ ..... ﴾ (النساء: ۷۷)

”کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو.....؟“

مکی دور کے منج کے برعکس ہجرت کے بعد یعنی مدنی دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا عناصر میں چند اور چیزوں کا اضافہ ہوتا ہے جس سے جدوجہد کا رنگ ہی بدل جاتا ہے۔ اب کفار کو نہ صرف اُن کے ظلم کا جواب دیا جا رہا ہے بلکہ آگے بڑھ کر چیلنج بھی کیا جا رہا ہے۔ اُن سے دو بدو جنگ ہو رہی ہے اُن کی گردنیں اُتاری جا رہی ہیں، کفار و مشرکین کو قیدی بنا جا رہا ہے۔ جہاں معاہدہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے وہاں عہد و میثاق ہو رہے ہیں، جہاں عارضی صلح درکار ہے وہاں امن و صلح کی بات چیت ہو رہی ہے۔ غرض اس اُبھرتی ہوئی طاقت کے لیے جس وقت جو عمل مناسب ہے وہ اختیار کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسلام کو شان و شوکت سے نواز دیا۔ ہر دو مراحل کے تقاضے یکسر مختلف

ہیں۔ بظاہر یہ تضاد ہے مگر حکمت دین کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر سیرت کے ان ادوار پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان مراحل کے مابین نسبت تضاد کی نہیں بلکہ تدریج کی ہے۔ ایک مقدم ہے اور ایک مؤخر!

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو غلبہ و اقامت دین کے لیے جو منہج دے کر بھیجا وہ واضح طور پر دو مرحلوں پر منقسم ہے، جیسا کہ قرآن و سیرت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ ایک کو ہم مکی دور کہتے ہیں اور ایک کو مدنی دور۔ ان کے مابین اصل فرق یہ ہے کہ مکی دور میں مسلمانوں کی تعداد اور استعداد کم تھی، ان کی تربیت اور تزکیہ و تنظیم کا عمل جاری تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو حکم یہ تھا کہ اسلام کی دعوت اپنے قول و فعل سے دیتے رہیں۔ ایمان کی پختگی، گہرائی اور گیرائی کے لیے سعی پیہم جاری تھی۔ اخلاق کی تہذیب اللہ کے ساتھ عبدیت کے تعلق کو مستحکم کرنے کی کوشش اور درجہ احسان کا حصول اُس دور میں اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ منہج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صبح و شام اُس مطلوبہ استعداد اور تعداد کو حاصل کرنے کے لیے دعوت کا عمل ہر قربانی اور ایثار کے جذبہ کے ساتھ انتہائی مستقل مزاجی اور بغیر کسی مددہنت کے جاری و ساری تھا۔ یہی وہ تشکیلی دور ہے جس میں رسول خدا ﷺ نے وحی الہی کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کی صورت میں وہ قوت و جمعیت فراہم کی جو کسی بھی نظام سے ٹکرانے یا بالفاظ دیگر مسلح یا غیر مسلح اقدام کے لیے شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور میں نبی اکرم ﷺ اور ان کے صحابہؓ مشرکین کے مظالم کے جواب میں صبر و مصابرت کی روش پر گامزن ہیں اور اس کے برعکس مدینے میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ابوسفیان نے دربار نبویؐ میں دست بستہ حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی لیکن نبی اکرم ﷺ نے صلح نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل وحی الہی کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی اور قیادت میں اختیار کیا گیا۔ مکی دور میں پوری جدوجہد پر ایک درویشانہ اور مظلومانہ رنگ غالب ہے جبکہ مدنی دور میں اقدامی اور جارحانہ روش دکھائی دیتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے اور اس کے پیچھے کیا حکمت کا رفرما ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ اسلام نہ ہمیشہ امن و صلح، صبر اور درگزر کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی ہر حال اور ہر جگہ جنگ و جدال اور جہاد و قتال پر ابھارتا ہے۔ اسلام میں فی نفسہ نہ صلح مطلوب ہے نہ قتال، بلکہ یہ دونوں ایک خاص مقصد کے لیے حکمت عملی کے طور پر اختیار کیے جاتے ہیں، اور وہ خاص مقصد ہے اظہار دین حق، اقامت دین، قیام خلافت، نصب امامت، اقامت الدولۃ الاسلامیہ، حکومت الہیہ کا قیام۔ غرض نام اور انداز تعبیر مختلف ہیں مگر ان سب سے ایک ہی حقیقت کا اظہار مطلوب ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی m نے اس آیت کو سیرت النبی ﷺ کا عمود قرار دیا ہے یعنی یہی وہ نقطہ ہے جس کے گرد پوری تین سو سالہ جدوجہد گردش کر رہی ہے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾

(التوبة: ۳۳، الفتح: ۲۸، الصف: ۹)

”وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدی (کتاب ہدایت) اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اُسے تمام نظام ہائے حیات پر۔“

اس آیت مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت بیان ہوا ہے۔ اس نقطہ کو سمجھ لینے کے بعد سیرت کے ہر دو مراحل

میں کوئی تضاد اور کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ یعنی جب بھی جو طریقہ کار غلبہ دین کے لیے زیادہ مناسب تھا ہم دیکھتے ہیں کہ سیرت النبیؐ میں وہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ جب تک مکہ میں رہے مسلمانوں کے پاس اس قدر قوت تھی کہ کفر کی حکمرانی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے اور اُس کی جگہ خدا کی حکمرانی قائم کرتے۔ اس لیے اقدام نہ کیا بلکہ مسلسل تن دہی کے ساتھ قوت کی فراہمی میں کوشاں رہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں قوت سے مراد صرف عددی قوت نہیں بلکہ ایسی عددی قوت کی فراہمی مطلوب ہے جو ایمان حقیقی سے وافر حصہ رکھتے ہوں اور عمل صالح پر کاربند ہوں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب مطلوبہ قوت فراہم ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے باطل کے خلاف اقدام کیا اور بھرپور کیا۔ بالآخر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام اور اہل ایمان کو غلبہ عطا فرمایا۔ دراصل یہ نقطہ حکمت دین سے متعلق ہے اور حکمت کی ایک تعریف یوں بھی کی گئی ہے: "وضع الشئ فی محلہ". یعنی ہر چیز کو اُس کے صحیح مقام پر رکھنا۔ اللہ ہمیں حکمت عطا فرمائے۔ آمین!

کیا اب کئی منہج (مرحلہ دعوت) منسوخ ہے؟

جیسا کہ واضح کیا گیا، منہج نبویؐ کے دو مراحل ہیں جن میں حالات کی رعایت سے مقدم و مؤخر کی نسبت ہے۔ اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض خاص ذہنی پس منظر رکھنے والے افراد جو انقلاب اسلامی کے طریقہ کار جیسے اہم موضوع پر سنجیدہ علمی و عقلی غور و فکر کے لیے سرے سے تیار ہی نہیں اور مسلمانوں کی موجودہ صورت حال پر اس قدر انفعالی کیفیت کا شکار ہیں کہ بغیر کسی استدلال کے نری جذباتیت برتتے ہیں اور جو منہج انہوں نے اپنایا ہوا ہے وہ اصلاً تو کوئی لائحہ عمل ہے ہی نہیں الا یہ کہ اپنے غم و غصہ کا اظہار ہو یا کچھ انتقامی جذبات کی تسکین ہو، سردست ہم اُن کے اس دعویٰ بلا دلیل کا جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جہاد و قتال کی آیات کے نزول سے دعوت و تبلیغ کا منہج منسوخ ہو گیا ہے؟ وہ آیات جو کئی دور میں ہاتھوں کو باندھے رکھنے اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے، مظالم پر صبر کرنے اور ظلم و جبر کے جواب میں مسلسل دعوت و تنظیم کو مزید بڑھانے کا مطالبہ کرتی ہیں، منسوخ ہو چکی ہیں اُن آیات سے جو مدنی دور میں اذن قتال اور پھر حکم قتال سے متعلق نازل کی گئیں؟ ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟

ہمارے ان نیک نیت مگر جذبات سے مغلوب بھائیوں کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ وہ خالص علمی بحث کو چٹکیوں میں اُڑا رہے ہیں جسے اہل علم نے علوم القرآن کی کتب میں خاص اہتمام کے ساتھ نسخ و منسوخ کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ اس ہوائی دعوے کی زد قرآن حکیم کی بیشتر محکم آیات پر پڑتی ہے جس کے بعد قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ ہمیں مخاطب ہی نہیں کرتا۔ یہ قرآن حکیم جو ابد الابد کے لیے اور بنی نوع انسان کے ہر مسئلہ کے لیے اپنے اندر رہنمائی سموائے ہوئے ہے، ہم اُسے اپنے جذبات اور جوش و خروش کے ہاتھوں مجبور ہو کر اتنا محدود کر دیں کہ اُسے غلبہ دین کی جدوجہد کے صرف ایک دور کے ساتھ خاص کر دیں، یہ قرآن پر ظلم اور لوگوں کو گمراہ کرنے والی بات ہے!

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ اس دعوے کے متعلق اہل علم کیا فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے علامہ بدر الدین الزرکشیؒ کی "البرہان فی علوم القرآن" کو لیتے ہیں جس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ موقف علماء سوء نے نائن ایون کے بعد مسلمانوں کو مغرب کی غلامی میں دینے کے لیے اختیار کیا ہے (کیونکہ علامہ کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے ہے)۔ علامہ لکھتے ہیں:

فيما يقع فيه النسخ: الجمهور على أنه لا يقع النسخ إلا في الأمر والنهي وزاد بعضهم الأخبار وأطلق وقيدها آخرون بالتى يراد بها الأمر والنهي (١)

”نسخ کہاں واقع ہوتا ہے؟ جمہور اہل علم کی رائے میں نسخ صرف امر و نہی میں واقع ہوتا ہے اور بعض نے اس پر اخبار (واقعہ کا تذکرہ) کا اضافہ کیا ہے۔ کچھ نے مطلق اخبار کہا ہے اور کچھ نے صرف ان اخبار پر نسخ کا وقوع مانا ہے جن میں امر و نہی وارد ہوتے ہیں۔“

ملاحظہ ہو کہ جن آیات کے نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ اصلاً تو شریعت سے متعلق نہیں بلکہ منہاج سے متعلق ہیں جس کے متعلق اوپر جمہور کا مسلک درج کیا گیا کہ اس میں نسخ واقع ہی نہیں ہوتا۔ علامہ کی درج ذیل عبارت پر غور کیا جانا چاہیے جس میں انہوں نے براہ راست ہمارے پیش نظر موضوع سے بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

الثالث ما أمر به لسبب ثم يزول السبب، كالأمر حين الضعف والقلّة بالصبر و بالمغفرة للذين يرون لقاء الله و نحوه من عدم إيجاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والجهاد و نحوها، ثم نسخه إيجاب ذلك وهذا ليس بنسخ في الحقيقة وإنما هو نس، كما قال تعالى: "أَوْ نُنسِهَا" فالنُسْأ هو الأمر بالقتال؛ إلى أن يقوى المسلمون، و في حال الضعف يكون الحكم وجوب الصبر على الأذى (٢)

”تیسرا یہ کہ جو حکم دیا جائے کسی سبب کی وجہ سے، پھر وہ سبب نہ رہے، جیسا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کفار کے ظلم پر صبر کرنے اور درگزر کرنے کا، ان مسلمانوں کو جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح (مکی دور میں) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد کے واجب نہ ہونے کا معاملہ ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا وجوب جہاد سے اور یہ درحقیقت نسخ نہیں بلکہ یہ بھلا دینا ہے (بایں معنی کہ وقتی طور پر اس کے مطابق عمل نہیں کیا جائے گا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَوْ نُنسِهَا. تو وقتی طور پر بھلا دیا گیا وہ حکم قتال تھا یہاں تک کہ مسلمان قوت حاصل کر لیں، اور ضعف کی حالت میں واجب ہے کہ تکلیف پر صبر کیا جائے۔“

یہ مشاہدہ ہے کہ نسخ کے دعوے دار اکثر ائمہ سلف کی ان تفسیری آراء سے دلیل پکڑتے ہیں جو آیات قتال کے ذیل میں ان جلیل القدر ہستیوں نے ظاہر فرمائی ہیں۔ اس کے صحیح محل اور مدعا کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بعض تابعین نے نُسِهَا کی تفسیر نُوخوہا (یعنی مؤخر کرتے ہیں) سے کی ہے۔ (ابن کثیر، جلد اول، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۰۶) جیسا کہ امام ابن جریر طبری سورۃ الحج کی آیت ۳۹ ﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِإِثْمِهِمْ ظُلْمًا﴾ (اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن سے قتال کیا جاتا ہے) قتال کرنے کی) بسبب اس کے کہ ان پر ظلم ہوا) کے تحت لکھتے ہیں:

وقال ابن زيد كانوا قد أمروا بالصفح عن المشركين، فأسلم رجال ذو ومنعة فقالوا يا رسول الله لو أذن الله لنا لا نتصربنا من هؤلاء الكلاب، فنزلت هذه الآية ثم نسخ

### ذلک بالجہاد (۳)

”ہمیں مشرکین سے عدم تعارض کا حکم دیا گیا تھا، مگر پھر مقابلہ کی طاقت رکھنے والے لوگ بھی اسلام لے آئے تو ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر اللہ ہمیں اجازت دیتا تو ہم ان کتوں سے خوب بدلہ لیتے۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے عدم تعارض کے حکم کو منسوخ کر دیا۔“

امام سیوطی نے جہاد و قتال سے متعلق ان تمام آیات کو جنہیں بطور نسخہ پیش کیا جاتا ہے اپنی کتاب ’الانقاف فی علوم القرآن‘ میں نسخ و منسوخ کی بحث کے تحت جمع کر دیا ہے۔ تفصیل کے لیے اس کتاب سے رجوع کیا جائے۔

یہ اور اس جیسے دیگر مقامات جو کتب تفسیر میں پائے جاتے ہیں سے متعلق اس وضاحت کی ضرورت ہے کہ یہاں نسخ کے معنی وہ نہیں نسخ حقیقی کے ہیں، یعنی ان دفع حکم بدلیل شرعی ولا یجوز امتثالہ ابدأ (دلیل شرعی کی بنیاد پر کسی حکم کا ختم ہو جانا اور پھر اس پر عمل نہ کرنا) بلکہ حکم کے فی الحال معطل اور مؤخر ہونے کے ہیں۔ اور اسی رائے کو امام جلال الدین سیوطی نے اختیار کیا ہے۔

اس بارے میں علامہ زکریا کا قول فیصلہ درج ذیل ہے:

وبهذا التحقيق تبين ضعف ما لهج به كثير من المفسرين في الآيات الامرة بالتخفيف إنها منسوخة بآية السيف، وليست كذلك بل هي من المنسأ بمعنى أن كل أمر ورد يجب امتثاله في وقت ما لعلة توجب ذلك الحكم، ثم ينتقل بانتقال تلك العلة الى آخر، وليس بنسخ إنما النسخ الازالة حتى لا يجوز امتثاله ابدأ وإلى هذا أشار الشافعي في ”الرسالة“ إلى النهي عن ادخار لحوم الأضاحي من أجل الرأفة، ثم ورد الإذن فيه فلم يجعله منسوخاً بل من باب زوال الحكم لزوال علته وهو سبحانه و تعالى حكيم أنزل على نبيه ﷺ حين ضعفه ما يليق بتلك الحال رأفة ورحمة، إذ لو وجب لاؤرث حرجاً و مشقة، فلما أعز الله الاسلام وأظهره ونصره أنزل عليه من الخطاب ما يكافي تلك الحالة من مطالبة الكفار بالاسلام أو بأداء الجزية ان كانوا أهل كتاب أو الاسلام أو القتل إن لم يكونوا أهل كتاب ويعود هذان الحكمان، اعنى المسالمة عند الضعف و المسابقة عند القوة يعود سببهما، وليس حكم المسابقة ناسخاً لحكم المسالمة بل كل منهما يجب امتثاله في وقته (۴)

”اور اس تحقیق سے وہ ضعف واضح ہوتا ہے جو بہت سے مفسرین کو لاحق ہوا ان آیات کے بارے میں جن میں بہت زیادہ تخفیف کا حکم ہے (یعنی صبر و استقامت اور غنودرگزر کا حکم ہے) کہ یہ تمام آیات منسوخ ہیں آیت السیف سے۔ جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ اول الذکر آیات منسأ (مؤخر کردہ) کی قبیل سے ہیں، اس معنی میں کہ جو بھی حکم وارد ہوا ہے اس کا پورا کرنا واجب ہے ایک خاص وقت میں جو علت ہے اس حکم کے وجوب کی۔ پھر وجوب منتقل ہو جاتا ہے دوسرے حکم کی طرف علت کے منتقل

ہونے کی وجہ سے۔ اور یہ ہرگز نسخ نہیں ہے؛ بلکہ نسخ تو وہ ہے جس پر ہمیشہ کے لیے عمل کرنا جائز نہ رہا ہو۔ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ”الرسالہ“ میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: حدیث میں جو قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع کیا گیا<sup>(۵)</sup> تو وہ بسبب رافت ہے۔ پھر ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی گئی تو یہ اجازت پہلے حکم کی نسخ نہیں ہے؛ بلکہ اس میں بھی وہی حکمت کارفرما ہے کہ علت کے زائل ہونے سے حکم بھی زائل ہو گیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ حکمت والے ہیں اس لیے اپنے نبی ﷺ پر حالت ضعف میں وہ احکام نازل فرمائے جو اُس حال کے مطابق تھے نرمی برتتے ہوئے رحمت کے ساتھ۔ اگر شروع ہی سے قتال کے احکام واجب کر دیے جاتے تو اس سے شدید حرج اور مشقت لازم آتی۔ پھر جب اللہ نے اسلام کو عزت، نصرت اور غلبہ سے سرفراز فرمایا تو آپ ﷺ پر وہ احکام نازل فرمائے جو اس حال کے مطابق تھے۔ جیسے کفار سے اسلام کا مطالبہ (جزیرہ نمائے عرب کے کفار مراد ہیں) ورنہ اُن کا قتل کر دیا جانا یا اگر اہل کتاب ہیں تو جزیرہ کا مطالبہ۔ یہ دونوں حکم واپس آسکتے ہیں سبب کے لوٹنے سے۔ یعنی امن (عدم جنگ) کا اختیار کرنا کمزوری کے وقت اور جنگ و قتال کا اختیار کرنا قوت و طاقت کے وقت۔ اور حکم المسایفة (قتال و جنگ کا حکم) حکم المسالمة (امن و عدم جنگ کے حکم) کے لیے نسخ نہیں؛ بلکہ اُن میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ اوقات میں عمل ہوگا۔

پس ثابت ہوا کہ نسخ کا دعویٰ کئی منج یعنی منج دعوت کے لیے کسی طور پر بھی ثابت نہیں۔ احوال واقعہ یعنی معروضی حالات کی نسبت سے معاملہ مقدم اور مؤخر کا ہے نہ کہ نسخ و منسوخ کا۔ نہ منج دعوت منسوخ ہے اور نہ منج جہاد (جیسا کہ اس کے برعکس اکثر متجددین کا زعم باطل ہے)۔ منج جہاد و قتال بھی اپنی پوری شان و شوکت، جاہ و جلال و قار و مطراق کے ساتھ موجود ہے اور منج جہاد و قتال کو ساقط یا منسوخ قرار دینے والا اور اس پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے والا مغلوب ذہنیت کا حامل، حقائق کا منکر، اسلام کی تکمیلی شان سے ناواقف اور مارا آستین ہے۔ مگر یہاں محل گفتگو یہ ہے کہ کون سا منج کن حالات میں زیادہ مناسب للمطلوب، مؤثر، راجح، مقدم اور مقاصد شریعت کا زیادہ محافظ اور غلبہ و اقامت دین کے لیے مبنی برہدف ہے۔ واللہ المستعان!

### ایک اشکال اور اُس کا حل

زیر نظر مضمون کا یہ بنیادی مقدمہ ہے کہ آج مسلمانوں میں کام کرنے والی تحریکات اسلامیہ کے لیے رہنمائی کا اہم ترین ذریعہ نبی اکرم ﷺ کے مکی دور کا منج ہے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ بنیادی مقدمہ ہے جس کو تسلیم کر لینے سے اسلامی تحریکات جو غلبہ و اقامت دین کے لیے مصروف کار ہیں، صحیح راہ پر گامزن رہیں گی اور منزل بہ منزل نفاذ اسلام اور نظام خلافت سے قریب تر ہوتی چلی جائیں گی اور پھر اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اُس کے تحت اور امام شرعی کی اقتدا میں کفار کے خلاف قتال کو منظم کرنے کا مرحلہ بھی آئے گا (ان شاء اللہ)۔

اس استدلال پر ایک اعتراض یہ وارد کیا جاتا ہے کہ اگر آج جدوجہد کے لیے مکی دور کو نظیر ٹھہرایا جائے تو پھر وہ حالت و حرمت کی تفصیلات جو شریعت میں تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد اپنی حتمی شکل کو پہنچ چکی ہیں، درہم برہم ہو جائیں



گی شراب و سؤر کی حلت و حرمت کا سوال اٹھ کھڑا ہوگا۔ اس اشکال کو ایک معترض کی زبانی سنئے! ہم عبارت نقل کیے دیتے ہیں:

”جب جہاد کے حتمی احکامات نازل کیے جا چکے تو اب کسی کو یہ حق نہیں کہ موجودہ دور کو کئی دور کے مثل قرار دے کر جہاد کو معطل کر دے، کیونکہ اس طرح تو آج شراب و سود کی عدم حرمت کا سوال بھی کھڑا ہو جائے گا کہ کئی دور میں یہ بھی حرام نہ تھے۔ جبکہ ہمارے سامنے اللہ کا یہ حکم موجود ہے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳) ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں رضامند ہو گیا۔“

الغرض ہمارے لیے شریعت کے حتمی احکام ہی حجت ہیں۔

یہ اعتراض خلط و محض کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی نظیر یا مثال کا سو فیصد انطباق نہیں ہوتا، بلکہ کسی نسبت سے اُس کا اطلاق ہوتا ہے اور کسی پہلو سے نہیں بھی ہوتا۔ اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حالات کی رعایت کے ساتھ عمل کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ عقل عام کی بات ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً وَمِنْهَا جَا﴾ (المائدة: ۴۸)

”تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت دی اور ایک منہاج۔“

اس آیت میں دو غور طلب الفاظ وارد ہوئے ہیں، ایک شریعت اور دوسرا منہاج۔ آئیے دیکھتے ہیں لغت میں اس کے معنی کیا ہیں، اس آیت کی ماثور تفسیر کیا ہے اور سلف نے اس سے کیا مراد لی ہے۔ اس نقطے کی تفہیم سے ان شاء اللہ محولہ بالا اشکال کا جواب بھی حاصل ہو جائے گا۔

لفظ ”الشريعة“ کے بارے میں علامہ آلوسی البغدادی لکھتے ہیں:

’الشريعة‘ بكسر الشين، وقرأ يحيى بن ثابت بفتحها ’الشريعة‘ وهي في الأصل الطريق الطاهر الذي يوصل منه إلى الماء والمراد بها الدين، واستعمالها فيه لكونه سبب موصلًا إلى ما هو سبب للحياة الأبدية كما أن الماء سبب للحياة الفانية أو لأنه طريق إلى العمل الذي يطهر العامل عن الأوساخ المعنوية كما أن الشريعة طريق إلى الماء الذي يطهر مستعمله عن الأوساخ الحسية<sup>(۶)</sup>

”الشريعة شين کی زیر کے ساتھ ہے اور یحییٰ بن ثابت کی قراءت میں زیر کے ساتھ ہے۔ اور اس کے اصلی معنی ہیں ایسا صاف طاہر راستہ جو پانی تک پہنچتا ہو اور اس سے مراد دین ہے، اور اس کا آیت میں استعمال ان معنی میں کیا گیا ہے کہ دین سبب ہے حیات ابدی کا جیسا کہ پانی سبب ہے حیات فانی کا۔ یا یہ کہ یہ وہ راستہ ہے جو عامل کو ایسے عمل کی طرف لے کر جاتا ہے جو اُس سے معنوی آلائشوں سے پاک

کرتا ہے جیسا کہ شریعت اُس راستہ کو کہتے ہیں جو ایسے پانی کی طرف لے کر جاتا ہے کہ اُس کا استعمال کرنے والا حسی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔“

اب لفظ ”منہاج“ کے متعلق تفصیلات ملاحظہ ہوں:

”مِنْهَاجًا“ اسم آلہ مفرد ہے اور اس کا مطلب ہے کھلا ہوا راستہ کشادہ راستہ روش۔ نَجْ، نَجْج اور منہاج تینوں ہم معنی ہیں۔ نَهَجُ باب فَتْح سے مصدر ہے اور مراد ہے راستہ کا کشادہ اور صاف ہونا اور اُس پر چلنا، کپڑے کا پرانا ہونا، کپڑے کو پرانا کرنا۔ اس معنی میں باب سَمِعَ اور كَرُم سے بھی مستعمل ہے۔ انہماج ”لازم“ بن کر بھی آتا ہے اور ”متعدی“ بھی۔ یعنی اس کا مطلب کشادہ راستہ ہونا بھی ہے اور راستہ کشادہ کرنا بھی۔<sup>(۷)</sup>

ملاحظہ کیجیے کہ ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں ان الفاظ کے شرعی معنی کیا بیان کیے ہیں۔ امام ابن جریر طبری نے اس آیت کے ذیل میں کئی روایات جمع کی ہیں جن کے طرق مختلف ہیں مگر معنی میں اشتراک ہے۔ ہم یہاں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

حدثنا ابن بشار، قال ثنا عبد الرحمن بن مہدی، قال ثنا مسعر عن ابی اسحاق عن

النمیحی، عن ابن عباس: لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً وَمِنْهَاجًا قَالَ سُنَّةٌ وَسَبِيلًا<sup>(۸)</sup>

”..... حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ سے مراد سنت (یعنی شرعی طریقہ و حکم) اور سبیل (یعنی اس شرعی حکم اور طریقے پر چلنے کا راستہ) ہے۔“

معلوم ہوا کہ شریعت اور منہاج میں فرق ہے۔ یہ دونوں الفاظ الگ الگ مفہیم کی ادائیگی کے لیے وارد ہوئے ہیں مگر یہ فرق ایک ہی حقیقت یعنی دین کے دو پہلوؤں کے اظہار کے اعتبار سے ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس آیت کے ذیل میں کافی وشافی کلام فرمایا ہے جس سے مدعا واضح ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

والحقیقة (حقیقة الدین، دین رب العالمین ہی ما اتفق علیہا أنبیاء والمرسلون، وإن

كان لكل منهم شرعة ومنهاج فالشرعة هی الشریعة قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ

عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنْكَ

مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ط وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٥﴾

(الجاثیة). (والمنهاج) هو الطريق قال تعالیٰ: ﴿وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ

لَأَسْقِيَنَّهُمْ مَّاءً غَدَقًا ح لَسَنَفْتَنَهُمْ فِيهِ ط وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا

صَعَدًا ﴿٦﴾ (الجن) فالشرعة بمنزلة الشریعة والمنهاج هو الطريق الذین سلك فیہ

والغایة المقصود هی حقیقة الدین وهی عبادة اللہ وحده لا شریک له وهی حقیقة

دین الاسلام<sup>(۹)</sup>

”حقیقة سے مراد حقیقت دین ہے، یعنی اللہ رب العالمین کا دین۔ یہ وہ دین ہے جو تمام انبیاء اور

رسولوں کے درمیان متفق چلا آ رہا ہے باوجود اس کے کہ ان سب کے لیے شریعت اور منہاج علیحدہ علیحدہ تھے۔ پس 'الشريعة' سے مراد شریعت ہے، جیسا کہ فرمان باری ہے: "پھر ہم نے رکھا آپ کو ایک شریعت پر اس کام میں تو اسی کی پیروی کیجیے اور ہرگز نادان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے۔ وہ کام نہ آئیں گے آپ کے اللہ کے سامنے کچھ بھی اور بے شک ظالم تو ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ دوست رکھتا ہے متقین کو"۔ اور 'منہاج' سے مراد ہے طریقہ کار راستہ۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: "اگر لوگ سیدھے طریقہ پر رہتے تو ہم انہیں پلاتے پانی بھر کر، تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعہ چاںچیں۔ اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے تو وہ اُس کو چلا دیتا ہے چڑھتے ہوئے عذاب میں"۔ پس شريعة سے مراد شریعت ہے اور منہاج سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس پر چل کر غایت مقصود حاصل کیا جاتا ہے جو کہ حقیقت دین ہے اور یہ حقیقت اصلاً اللہ وحدہ لا شریک کی بندگی کا نام ہے۔

اسی طرح کئی اور مقامات پر امام ابن تیمیہ نے واضح کیا ہے کہ شریعت الگ ہے اور طریقہ کار الگ ہے۔ اور یہ تمام انبیاء کے لیے مختلف رہی ہیں، مگر دین کی حقیقت جو کہ عبادت رب واحد ہے، وہ تمام انبیاء اور رسل کے مابین متفق رہی ہے۔ شریعت بحث کرتی ہے حلال و حرام سے، جائز و ناجائز سے، اشیاء استعمال کے مستحب و مکروہ ہونے سے، جبکہ منہاج اُس طریقہ کار اُس حکمت عملی اُس راستہ اور منہج کو کہتے ہیں جس پر کار بند ہو کر اللہ کی بندگی اظہار دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد کی جاتی ہے۔ یہاں پہنچ کر بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج اقامت دین کے لیے رسول اللہ ﷺ کے دیے گئے دو مراحل منہج میں سے کسی کے اختیار کرنے سے شریعت کے معطل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بے شک شریعت مکمل ہو چکی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

یعنی آج منہج نبوی کے مرحلہ دعوت پر عمل کرنے کے باوجود شریعت کے حلال و حرام پر کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ آج ہمارے لیے شریعت کے وہی احکام حجت ہیں جو تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد اپنی تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ آج شریعت کے بہت سے احکام پر ہمارے ہاں عمل نہیں۔ خاص طور پر شریعت اسلامی کا وہ حصہ جو ریاست سے متعلق ہے۔ جیسے نفاذ حدود، نظام صلاۃ، نظام زکوٰۃ، کفار کے خلاف شرعی قتال یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا قیام امر بالمعروف و نہی عن المنکر بالید، حرمت سود، کفار سے جزیہ کا مطالبہ وغیرہ۔ کوئی مانے یا نہ مانے تلخ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم اپنے رب کے ان احکام پر اجتماعی طور پر عمل کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کا تدارک صرف اسی طرح ممکن ہے کہ ہم اس فرمان حقیقت بیان کی روشنی میں اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد کریں۔ حضرت امام مالک نے فرمایا تھا کہ: لَنْ يَصْلِحَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَّحَ بِهِ أَوْلَئِهَا، اور منہج انقلاب نبوی کی رو سے جدوجہد کی ترتیب میں کسی دور مقدم ہے اور اسی کا ثمر ریاست مدینہ کے نام سے معروف ہے۔

نصوص سے غلط استدلال

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آج اصل اعتبار قرآن مجید سے استنباط احکام کے وقت عموم لفظی کا ہوگا نہ کہ سبب خصوصی کا۔ العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ مگر یہ قاعدہ احکام شریعت سے متعلق ہے نہ کہ استخراج منج سے۔ استخراج منج میں تو اصل اعتبار ترتیب نزولی کا ہے اور یہ بات اتنی سامنے کی ہے کہ اس کے لیے دلائل دینے کی ضرورت نہیں۔

آج ایک خاص طرح کے لٹریچر میں جہاں بہت سے اصولی اور علمی خلط محض پائے جاتے ہیں، اُن میں سب سے خطرناک اور کثرت سے پائی جانے والی خامی نصوص کا بے موقع انطباق ہے۔ یعنی آیات قرآنی، احادیث نبوی، فتاویٰ و اقوال سلف کو سیاق و سباق، ظروف و احوال سے کاٹ کر یکسر بے محل پیش کیا جاتا ہے، جو کہ نتیجہ ہے اُس حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت انتقامی جذبات اور عالم کفر کی طرف سے ڈھائے جانے والے مسلسل ظلم و جبر کا، جس کے نتیجے میں ہمارے یہ بھائی موجودہ پستی کی کیفیت سے باہر آنے اور غلبہ اسلام کے لیے منج و طریقہ کار پر سنجیدہ غور و فکر کے لیے تیار ہی نہیں۔ اور زبان حال سے کہہ رہے ہوتے ہیں: ع

مفاہمت نہ سکھا جبر ناروا سے مجھے میں سر بکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے!

اور: ے

نھیتم چہ کنم ناصحاچہ میدانی کہ من نہ معتقد مرد عافیت جوئیم  
مگر یہ الزام درست نہیں، کیونکہ ہم مفاہمت یا عافیت جوئی کی تعلیم نہیں دے رہے بلکہ احقاقیق اور ابطال باطل کی نبوی حکمت عملی کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔

مفہوم اور مراد متکلم کے اخذ کرنے میں سیاق و سباق اور احوال و ظروف کی حد درجہ اہمیت ہے۔ اس بات کا اندازہ ہم ایک سادہ سی مثال سے لگا سکتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے ”پانی لاؤ“۔ اب اگر وہ شخص یہ جملہ کھانے کی میز پر ادا کرے گا تو آپ اُس کو پانی کا ایک گلاس لادیں گے۔ اگر یہی جملہ غسل خانے سے کوئی پکار کر کہے تو آپ بالٹی بھر پانی کا اہتمام کریں گے اور اگر یہی جملہ کوئی وضو خانے میں کہے تو آپ اُسے پانی کا ایک ظرف فراہم کر دیں گے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جملہ ایک ہی ہے مگر محل و مقام کے بدلنے سے تعمیل حکم میں کتنا فرق واقع ہوتا ہے! اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سیاق و سباق اور احوال و ظروف اور مزاج و لہجے کا متکلم کی مراد کو سمجھنے میں کتنا حصہ ہے۔

سیاق و سباق سے کاٹ کر نصوص کو پیش کرنے کے حوالے سے ہم ایک روایت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ عصر حاضر کے جہادی لٹریچر میں آپ کو بخاری و مسلم سے مروی یہ حدیث نبویؐ جا بجا ملے گی:

((أَنَّ الْجَنَّةَ نَحَتْ ظِلَالِ السُّيُوفِ)) (صحیح مسلم)

”جنت تلواروں کے سائے تلے ہے“۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک روایت کا جزو ہے نہ کہ مکمل حدیث۔ اب آپ مکمل حدیث نبویؐ کا مطالعہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ سیاق و سباق کے ساتھ اس حدیث کا کیا مفہوم ہے اور سیاق و سباق سے کاٹنے کے بعد اس کے معنی

میں کیا فرق واقع ہوتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعُدُوِّ وَاسْأَلُوا اللَّهَ الْعَاقِبَةَ، فَإِذَا لَقَيْتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا  
وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ)) (۱۰)

”اے لوگو! دشمن سے لڑنے کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عاقبت مانگو۔ پس جب لڑنے کی نوبت آ ہی جائے تو ڈٹ جاؤ (بھاگو نہیں) اور یہ جان رکھو کہ بہشت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ (یعنی شہید ہوتے ہی داخل جنت ہو گے)۔“

اس طرح کے لٹریچر کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ اس میں ائمہ سلف کے فتاویٰ کو ان کے پورے استدلال سے کاٹ کر الگ اور بے محل پیش کیا جاتا ہے، بغیر اس پر غور کیے کہ صاحبِ فتویٰ نے یہ فتویٰ کن حالات میں اور کن امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا تھا۔ اس لیے ضروری ہے کہ فتوے کی شرعی حیثیت اور ان عوامل کو دیکھ لیا جائے جن کا ایک مفتی فتویٰ دیتے وقت لحاظ رکھتا ہے۔ اس سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ اسلاف میں سے کسی کے فتویٰ سے منج کے لیے دلیل پکڑنا درست نہیں، کیونکہ منج کا تعلق اپنے زمانے کے خاص حالات سے ہوتا ہے۔ منج کے تعین میں فیصلہ کن عامل کی حیثیت وقت کے عرف و عادت اور مصالحِ مرسلہ کو حاصل ہے۔ اسی لیے اہل علم کے ہاں مشہور ہے کہ: مَنْ لَمْ يَعْرِفْ أَهْلَ زَمَانِهِ فَهُوَ جَاهِلٌ۔ کہ ”جو شخص اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے“۔ اور عالم کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ: ان یكون بصیراً بزمانه کہ وہ اپنے زمانے کی بصیرت رکھتا ہو۔ علامہ شامی کا شعر ہے:۔

والعرف فی الشرع له اعتبار لذا علیه الحکم قد یدار  
”عرف کا شریعت میں اعتبار ہے اس لیے کہ اس پر حکم کا مدار رکھا جاتا ہے۔“

دکتور عبدالکریم زیدان (استاذ الفقہ المقارن جامعہ صنعاء) نے اپنی شاہکار تالیف ”اصول الدعوة“ میں باب نظام الافتاء کے تحت اس موضوع پر عمدہ بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتویٰ کا خاص تعلق احوالِ امکانہ، ازمنا، ظروف اور مستفتی کے حالات سے ہوتا ہے اور یہ فتویٰ ان امور کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ یعنی والفتویٰ قد تتغیر بتغیر المكان والزمان (۱۱) قواعد فقہ کی کتب میں یہ قاعدہ کلیہ مسلمہ حیثیت کا حامل ہے کہ:

والحکم یدور مع العلة وجوداً و عدماً۔ ”حکم کا مدار وجود اور عدمت پر رہے گا۔“

علامہ ابن عابدین الشامی ”عقود رسم المفتی“ میں رقم طراز ہیں:

إن كثيراً من الاحکام التي نص عليه المجتهد صاحب المذهب بناء على ما كان في  
عرضه وزمانه قد تغيرت بتغير الازمان بسبب فساد اهل الزمان أو عموم الضرورة  
كما قد مناه من افناء المتأخرين (۱۲)

”یقیناً بہت سے احکام جن کی تصریح صاحبِ مذہب مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانہ کے احوال پر بنیاد رکھتے ہوئے کی تھی وہ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے بدل جاتے ہیں اور یہ تبدیلی یا تو لوگوں میں بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے یا عمومی ضرورت کا لحاظ پیش نظر ہوتا ہے، جیسا کہ ہم متاخرین کے فتاویٰ

کے ذیل میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔“

ان تصریحات سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خاص حالات میں دیے گئے فتاویٰ سے منہج کے لیے آج استدلال کرنا درست نہیں، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آج مسلم ممالک میں ہر جگہ ایک ہی منہج کو اختیار کرنا بھی ضروری نہیں۔ جیسا کہ بعض ممالک براہ راست کافر اور غیر ملکی افواج سے اپنی حریت و آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہاں فوری ضرورت کے پیش نظر مرحلہ دعوت کا التزام کارگر نہیں ہے۔

آخر میں ہم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی وہ نصیحت نقل کرتے ہیں جو آپ نے بزبان عربی، عرب ممالک کے نوجوانوں کو حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ۱۳۸۲ھ میں فرمائی تھی۔ اس نصیحت کے ایک ایک حرف کو بغور پڑھنے کی ضرورت ہے۔ جب مولانا مرحوم نے یہ تقریر فرمائی تھی تو اُس وقت سے زیادہ شاید آج مسلمانوں کو اس رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ہم اس تقریر کا ایک جز نقل کیے دیتے ہیں:

”اس سلسلے میں اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ انہیں خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحہ کے ذریعہ سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے (۱۳)۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی کی ایک صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعہ برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلائے، بڑے پیمانے پر اذہان اور افکار کی اصلاح کیجئے، لوگوں کے خیالات بدلئے، اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو سنہرے کیجئے۔ اس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا وہ ایسا پائیدار اور مستحکم ہوگا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کر سکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا اسی راستے سے وہ مٹایا بھی جاسکے گا۔“ (۱۴)

#### حوالہ جات

- (۱) البرہان فی علوم القرآن ۳۳/۲ - (۲) البرہان فی علوم القرآن ۴۲/۲ -
- (۳) الطبری ۳۲۴/۱۸ - (۴) البرہان فی علوم القرآن ۴۲/۲ - ۴۳ -
- (۵) حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیہاتی غریبوں کی وجہ سے یہ حکم دیا تھا کہ: ((اِذْخِرُوا قُلُوبًا تُمْ تَصَدَّقُوا بِمَا بَسَقِي)) ”تین دن کا گوشت ذخیرہ کر لو اور باقی گوشت صدقہ کر دو“۔ اس کے بعد لوگوں نے آکر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں نے تو اپنی قربانی سے مشکیزے بنا لیے ہیں اور ان میں چربی کی چکناٹا مل رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ اس پر لوگوں نے آپ ﷺ کا گزشتہ حکم بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ((اِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ اَجْلِ الرَّافَةِ فَكُلُوا وَاذْخِرُوا وَتَصَدَّقُوا)) ”میں نے تو صرف اُن آنے والے غریبوں کی سہولت کی وجہ سے تمہیں منع کیا تھا۔ اب تم کھاؤ، ذخیرہ کر لو اور صدقہ کرو“۔ مسلم: ۱۹۸۱ - واحمد: ۵۱/۶ - وابوداؤد: ۲۸/۲۸ - والنسائی: ۲۳۵/۸ -
- (۶) تفسیر روح المعانی للعلامة شہاب الدین آلوسی البغدادی ص ۱۵۳ ج ۶ آیت ۴۸ سورة المائدة۔
- (۷) تاج العروس، لغات القرآن جلد پنجم ص ۴۶۴ -
- (۸) رقم: ۹۴۶۷ ص ۳۳۶ المجلد الرابع جامع البيان عن تاويل آي القرآن للام ابن جرير طبري۔
- (۹) مجموع الفتاوى للشيخ الاسلام ابن تيمية ۲۱۹/۲۱۸/۱۱ -

- (۱۰) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب کان النبی ﷺ اذا لم یقاتل اول النہار آخر القتال۔ وصحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب کراہۃ تمنی لقاء العدو والامر بالصبر عند اللقاء۔
- (۱۱) اصول الدعوة لدکتور عبدالکریم زیدان، ص ۱۲۹، ۱۸۰ بیروت۔
- (۱۲) عقود رسم المفتی لابن عابدین الشامی ص ۳۸۔
- (۱۳) ظاہر ہے یہ ہدایت مولانا نے آج کے خاص حالات کے حوالے سے فرمائی ہے ورنہ اسلام میں مسلح کارروائی چند شرائط کے ساتھ کوئی ممنوع شے نہیں۔ (مضمون نگار)
- (۱۴) ماخوذ از تفہیمات حصہ سوم سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ”دنیائے اسلام میں اسلامی تحریکات کے لیے طریق کار۔“

## دینی علوم کے اساتذہ و محققین کے لیے ناگزیر حوالہ جاتی کتب

- اردو دائرہ معارف اسلامیہ [۲۴ جلدیں بشمول مفصل اشاریہ۔ قیمت: ۱۰۰۰۰]
  - جامعہ پنجاب کے زیر اہتمام اردو زبان کا مفصل ترین، مستند، تحقیقی اور جامع اسلامی انسائیکلو پیڈیا
  - مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ
  - اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالات کا جامع انتخاب اور تلخیص [قیمت: ۷۰۰]
  - مسند امام احمد بن حنبلؒ (اردو ترجمہ) [۱۴ جلدیں۔ قیمت: ۵۵۰۰]
  - علم حدیث کے جامع ترین ذخیرہ کا اردو ترجمہ، اصل عربی متن اور احادیث کی تخریج کے ساتھ
  - معجم اصطلاحات حدیث (ڈاکٹر سہیل حسن) [صفحات: ۵۱۲۔ قیمت: ۳۰۰]
  - حدیث، اصول حدیث و اسماء الرجال کی اصطلاحات اور مصنفین کتب حدیث کا مستند تعارف
  - فرہنگ سیرت (سید فضل الرحمن) [صفحات: ۳۲۸۔ قیمت: ۱۷۵]
  - الف بائی ترتیب سے ۳۰۰۰ سے زائد اشخاص، مقامات اور واقعات کا بنیادی تعارف، ۱۸۳۰ءم نقشوں کے ساتھ
  - اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ (اردو ترجمہ) [۳ ضخیم جلدیں۔ قیمت: ۱۶۰۰]
  - امام ابن الاثیر الجزریؒ کے قلم سے صحابہ کرام و صحابیات کے مستند و مفصل تعارف پر مشتمل کلاسیکی انسائیکلو پیڈیا
  - احکام القرآن (امام ابو بکر الجصاصؒ) [۶ جلدیں۔ قیمت: ۱۸۰۰]
  - آیات احکام کی تعبیر و تشریح کے موضوع پر امام جصاص کی شہرہ آفاق کتاب کا مستند اردو ترجمہ
  - قاموس الفقہ (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی) [۵ جلدیں۔ قیمت: ۱۷۰۰]
  - اردو زبان کی پہلی فقہی انسائیکلو پیڈیا، فقہ اور اصول فقہ کی اصطلاحات پر مفصل تحقیقی مقالہ جات
- مکتبہ امام اہل سنت، جامع مسجد شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ (0306-6426001) —